الٓمٓ

1

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

پارہ نمبر...... 1

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃ

سورۂ فاتحہ کا تعارف

مقامِ نزول

اکثر علماء کے نزدیک ”سورۂ فاتحہ“ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ امام مجاہد رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ ”سورۂ فاتحہ“ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے اور ایک قول یہ ہے: ”سورۂ فاتحہ“ دو مرتبہ نازل ہوئی، ایک مرتبہ ”مکہ مکرمہ“ میں اور دوسری مرتبہ ”مدینہ منورہ“ میں نازل ہوئی ہے۔ [1]

رکوع اور آیات کی تعداد

اس سورت میں 1 رکوع اور 7 آیتیں ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے اسماء اور ان کی وجہ تسمیہ

اس سورت کے متعدد نام ہیں اور ناموں کا زیادہ ہونا اس کی فضیلت اور شرف کی دلیل ہے، اس کے مشہور 15 نام یہ ہیں:

(1)...... ”سورۂ فاتحہ“ سے قرآنِ پاک کی تلاوت شروع کی جاتی ہے اور اسی سورت سے قرآن پاک لکھنے کی ابتداء کی جاتی ہے اس لئے اسے ”فَاتِحَۃُ الْکِتَاب“ یعنی کتاب کی ابتداء کرنے والی کہتے ہیں۔

(2)...... اس سورت کی ابتداء ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ“ سے ہوئی، اس مناسبت سے اسے ”سُوْرَۃُ الْحَمْدِ“ یعنی وہ سورت جس میں اللہ تعالٰی کی حمد بیان کی گئی ہے، کہتے ہیں۔

1 ...... خازن، تفسیر سورۃ الفاتحۃ، ۱/۱۲.

(3،4)……''سورۂ فاتحہ'' قرآن پاک کی اصل ہے،اس بناء پر اسے ''اُمُّ الْقُرْآن'' اور ''اُمُّ الْکِتَاب'' کہتے ہیں۔

(5)……یہ سورت نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے یا یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ہے اس وجہ سے اسے ''اَلسَّبْعُ الْمَثَانِی'' یعنی بار بار پڑھی جانے والی یا ایک سے زائد مرتبہ نازل ہونے والی سات آیتیں، کہا جاتا ہے۔

(6تا8)……دین کے بنیادی امور کا جامع ہونے کی وجہ سے سورۂ فاتحہ کو ''سُوْرَۃُ الْکَنْز، سُوْرَۃُ الْوَافِیَۃ'' اور ''سُوْرَۃُ الْکَافِیَۃ'' کہتے ہیں۔

(9،10)……''شفاء'' کا باعث ہونے کی وجہ سے اسے ''سُوْرَۃُ الشِّفَاء'' اور ''سُوْرَۃُ الشَّافِیَۃ'' کہتے ہیں۔

(11تا15)……''دعا'' پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اسے ''سُوْرَۃُ الدُّعَاء، سُوْرَۃُ تَعْلِیْمِ الْمَسْئَلَۃ، سُوْرَۃُ السُّوَال، سُوْرَۃُ الْمُنَاجَاۃ'' اور ''سُوْرَۃُ التَّفْوِیْض'' بھی کہا جاتا ہے۔[1]

سورۂ فاتحہ کے فضائل

احادیث میں اس سورت کے بہت سے فضائل بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے 4 فضائل درج ذیل ہیں:

(1)……حضرت ابوسعید بن مُعلّٰی رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں، میں نماز پڑھ رہا تھا تو مجھے نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے بلایا لیکن میں نے جواب نہ دیا۔ (جب نماز سے فارغ ہو کر بارگاہ رسالت صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ میں حاضر ہوا تو) میں نے عرض کی: ''یارسولَ اللّٰہ! صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تاجدارِ رسالت صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''کیا اللّٰہ تعالٰی نے یہ نہیں فرمایا: ''اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ'' اللّٰہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ جب وہ تمہیں بلائیں۔[2] پھر ارشاد فرمایا: ''کیا میں تمہیں تمہارے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآنِ کریم کی سب سے عظیم سورت نہ سکھاؤں؟ پھر آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، جب ہم نے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کی: یارسولَ اللّٰہ! صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، آپ نے فرمایا تھا کہ میں ضرور تمہیں قرآن مجید کی سب سے عظمت والی سورت سکھاؤں گا۔ ارشاد فرمایا: ''وہ سورت ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' ہے، یہی ''سبعِ مثانی'' اور ''قرآنِ عظیم'' ہے جو مجھے عطا فرمائی گئی۔[3]

1……خازن، تفسیر سورۃ الفاتحۃ، ۱/۱۲، مدارک، سورۃ فاتحۃ الکتاب، ص۱۰، روح المعانی، سورۃ فاتحۃ الکتاب، ۱/۵۱، ملتقطاً۔

2……انفال: ۲۴۔

3……بخاری، کتاب فضائل القران، باب فاتحۃ الکتاب، ۳/۴۰۴، الحدیث: ۵۰۰۶۔

(2)......حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُما فرماتے ہیں: ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا اور اس نے سید المرسلین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں سلام پیش کر کے عرض کی: یارسول اللّٰہ! صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ، آپ کو اُن دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کے علاوہ اور کسی نبی کو عطا نہیں کئے گئے اور وہ دو نور یہ ہیں: (۱)''سورۂ فاتحہ'' (۲)''سورۂ بقرہ'' کی آخری آیتیں۔[1]

(3)......حضرت اُبی بن کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور پُر نور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''اللّٰہ تعالٰی نے تورات اور انجیل میں ''اُمُّ الْقُرْآن'' کی مثل کوئی سورت نازل نہیں فرمائی۔''[2]

(4)......حضرت عبدالملک بن عُمیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''سورۂ فاتحہ ہر مرض کے لیے شفاء ہے۔''[3]

سورۂ فاتحہ کے مضامین

اس سورت میں یہ مضامین بیان کئے گئے ہیں:

(1)......اس سورت میں اللّٰہ تعالٰی کی حمد و ثنا کا بیان ہے۔

(2)......اللّٰہ تعالٰی کے رب ہونے، اس کے رحمٰن اور رحیم ہونے، نیز مخلوق کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے اور قیامت کے دن ان کے اعمال کی جزاء ملنے کا ذکر ہے۔

(3)......صرف اللّٰہ تعالٰی کے عبادت کا مستحق ہونے اور اس کے حقیقی مددگار ہونے کا تذکرہ ہے۔

(4)......دعا کے آداب کا بیان اور اللّٰہ تعالٰی سے دینِ حق اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت ملنے، نیک لوگوں کے حال سے موافقت اور گمراہوں سے اجتناب کی دعا مانگنے کی تعلیم ہے۔

یہ چند وہ چیزیں بیان کی ہیں جن کا ''سورۂ فاتحہ'' میں تفصیلی ذکر ہے البتہ اجمالی طور پر اس سورت میں بے شمار چیزوں کا بیان ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: ''اگر میں چاہوں تو ''سورۂ

1......مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل الفاتحة...الخ، ص٤٠٤، الحديث: ٢٥٤(٨٠٦).

2......ترمذی، کتاب التفسير، باب ومن سورة (الحجر)، ٥/٨٧، الحديث: ٣١٣٦.

3......شعب الايمان، التاسع عشر من شعب الايمان...الخ، فصل فی فضائل السور والآيات، ٢/٤٥٠، الحديث: ٢٣٧٠.

فاتحہ‘‘ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھروا دوں۔[1]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ’’ایک اونٹ کَے (یعنی کتنے ہی) من بوجھ اٹھاتا ہے اور ہر من میں کَے (یعنی کتنے) ہزار اجزاء (ہوتے ہیں، ان کا حساب لگایا جائے تو یہ) حساب سے تقریباً پچیس لاکھ جز بنتے ہیں، یہ فقط ’’سورۂ فاتحہ‘‘ کی تفسیر ہے۔[2]

سورۂ فاتحہ سے متعلق شرعی مسائل

(1)......نماز میں ’’سورۂ فاتحہ‘‘ پڑھنا واجب ہے، امام اور تنہا نماز پڑھنے والا اپنی زبان سے ’’سورۂ فاتحہ‘‘ پڑھے گا جبکہ مقتدی امام کے پیچھے خاموش رہے گا اور جہری نماز میں اس کی قراءت بھی سنے گا اور اس کا یہی عمل پڑھنے کے حکم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تلاوت کے وقت مقتدی کو خاموش رہنے اور قراءت سننے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ[3]

ترجمۂ کنزالعرفان: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ’’جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔[4]

حضرت جابر بن عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ’’جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے۔[5]

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث میں امام کے پیچھے مقتدی کے خاموش رہنے کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔

امامِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مناظرہ

امام فخر الدین رازی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ’’مدینہ منورہ کے چند علماء امام ابو حنیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ

1......الاتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن والسبعون...الخ، ۲/۵٦٣.

2......فتاویٰ رضویہ، ۲۲/٦١٩۔

3......اعراف: ٢٠٤.

4......ابن ماجه، کتاب الصلاۃ، باب اذا قرء الامام فانصتوا، ١/٤٦٢، الحدیث: ٨٤٧.

5......ابن ماجه، کتاب الصلاۃ، باب اذا قرء الامام فانصتوا، ١/٤٦٤، الحدیث: ٨٥٠.

کے پاس اس غرض سے آئے کہ وہ امام کے پیچھے مقتدی کی قراءت کرنے کے معاملے میں ان سے مناظرہ کریں۔ امام ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے فرمایا: سب سے مناظرہ کرنا میرے لئے ممکن نہیں، آپ ایسا کریں کہ مناظرے کا معاملہ اس کے سپرد کردیں جو آپ سب سے زیادہ علم والا ہے تاکہ میں اس کے ساتھ مناظرہ کروں۔ انہوں نے ایک عالم کی طرف اشارہ کیا تو امام ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: کیا یہ تم سب سے زیادہ علم والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''ہاں۔'' امام ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: کیا میرا اس کے ساتھ مناظرہ کرنا تم سب کے ساتھ مناظرہ کرنے کی طرح ہے؟ انہوں نے کہا: ''ہاں۔'' امام ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: اس کے خلاف جو دلیل قائم ہوگی وہ گویا کہ تمہارے خلاف قائم ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا: ''ہاں۔'' امام ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: اگر میں اس کے ساتھ مناظرہ کروں اور دلیل میں اس پر غالب آجاؤں تو وہ دلیل تم پر بھی لازم ہوگی؟ انہوں نے کہا: ''ہاں۔'' امام ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دریافت کیا: وہ دلیل تم پر کیسے لازم ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا: ''اس لئے کہ ہم اسے اپنا امام بنانے پر راضی ہیں تو اس کی بات ہماری بات ہوگی۔'' امام ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ جب ہم نے ایک شخص کو نماز میں اپنا امام مان لیا تو اس کا قراءت کرنا ہمارا قراءت کرنا ہے اور وہ ہماری طرف سے نائب ہے۔ امام ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی یہ بات سن کر سب نے اقرار کرلیا (کہ امام کے پیچھے مقتدی قراءت نہیں کرے گا)۔ (1)

(2)......''نمازِ جنازہ'' میں خاص دعا یاد نہ ہو تو دعا کی نیت سے ''سورۂ فاتحہ'' پڑھنا جائز ہے جبکہ قراءت کی نیت سے پڑھنا جائز نہیں۔ (2)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا۔

ترجمۂ کنزُالعِرفان: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان، رحمت والا ہے۔

1......تفسیر کبیر، البقرة، تحت الآية: ٣٠، ١/ ٤١٢.

2......عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون، الفصل الخامس، ١/ ١٦٤.

﴿بِسْمِ اللّٰهِ: اللہ کے نام سے شروع۔﴾ علامہ احمد صاوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: قرآنِ مجید کی ابتداء ''بِسْمِ اللّٰهِ'' سے اس لئے کی گئی تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اس کی پیروی کرتے ہوئے ہر اچھے کام کی ابتداء ''بِسْمِ اللّٰهِ'' سے کریں۔[(1)] اور حدیثِ پاک میں بھی (اچھے اور) اہم کام کی ابتداء ''بِسْمِ اللّٰهِ'' سے کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور پُر نور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

''جس اہم کام کی ابتداء ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' سے نہ کی گئی تو وہ ادھورا رہ جاتا ہے۔[(2)]

لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہر نیک اور جائز کام کی ابتداء ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' سے کریں، اس کی بہت برکت ہے۔[(3)]

﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔﴾ امام فخر الدین رازی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو رحمٰن اور رحیم فرمایا تو یہ اس کی شان سے بعید ہے کہ وہ رحم نہ فرمائے۔ مروی ہے کہ ایک سائل نے بلند دروازے کے پاس کھڑے ہو کر کچھ مانگا تو اسے تھوڑا سا دے دیا گیا، دوسرے دن وہ ایک کلہاڑا لے کر آیا اور دروازے کو توڑنا شروع کر دیا۔ اس سے کہا گیا کہ تو ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: تو دروازے کو اپنی عطا کے لائق کر یا اپنی عطا کو دروازے کے لائق بنا۔ اے ہمارے اللہ! عَزَّوَجَلَّ، رحمت کے سمندروں کو تیری رحمت سے وہ نسبت ہے جو ایک چھوٹے سے ذرے کو تیرے عرش سے نسبت ہے اور تو نے اپنی کتاب کی ابتداء میں اپنے بندوں پر اپنی رحمت کی صفت بیان کی اس لئے ہمیں اپنی رحمت اور فضل سے محروم نہ رکھنا۔[(4)]

''بِسْمِ اللّٰهِ'' سے متعلق چند شرعی مسائل

علماءِ کرام نے ''بِسْمِ اللّٰهِ'' سے متعلق بہت سے شرعی مسائل بیان کئے ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(1)......جو'' بِسْمِ اللّٰهِ '' ہر سورت کے شروع میں لکھی ہوئی ہے، یہ پوری آیت ہے اور جو ''سورۂ نمل'' کی آیت نمبر

1......صاوی، الفاتحۃ، ۱/۱۵۔

2......کنز العمال، کتاب الاذکار، الباب السابع فی تلاوۃ القراٰن وفضائلہ، الفصل الثانی...الخ، ۱/۲۷۷، الجزء الاول، الحدیث: ۲۴۸۸۔

3......بِسْمِ اللّٰهِ شریف کے مزید فضائل جاننے کے لئے امیرِ اہلسنّت حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ کی تالیف ''فیضانِ بِسْمِ اللّٰهِ (مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)'' کا مطالعہ فرمائیں۔

4......تفسیر کبیر، الباب الحادی عشر فی بعض النکت المستخرجۃ...الخ، ۱/۱۵۳۔

30 میں ہے وہ اُس آیت کا ایک حصہ ہے۔

(2)......"بِسْمِ اللّٰه" ہر سورت کے شروع کی آیت نہیں ہے بلکہ پورے قرآن کی ایک آیت ہے جسے ہر سورت کے شروع میں لکھ دیا گیا تا کہ دو سورتوں کے درمیان فاصلہ ہو جائے ، اسی لئے سورت کے اوپر امتیازی شان میں "بِسْمِ اللّٰه" لکھی جاتی ہے آیات کی طرح ملا کر نہیں لکھتے اور امام جہری نمازوں میں "بِسْمِ اللّٰه" آواز سے نہیں پڑھتا، نیز حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام جو پہلی وحی لائے اس میں "بِسْمِ اللّٰه" نہ تھی۔

(3)......تراویح پڑھانے والے کو چاہیے کہ وہ کسی ایک سورت کے شروع میں "بِسْمِ اللّٰه" آواز سے پڑھے تا کہ ایک آیت رہ نہ جائے۔

(4)......تلاوت شروع کرنے سے پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھنا سنت ہے،لیکن اگر شاگرد استاد سے قرآن مجید پڑھ رہا ہو تو اس کے لیے سنت نہیں۔

(5)......سورت کی ابتداء میں "بِسْمِ اللّٰه" پڑھنا سنت ہے ورنہ مستحب ہے۔

(6)......اگر "سورۂ توبہ" سے تلاوت شروع کی جائے تو "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" اور "بِسْمِ اللّٰه" دونوں کو پڑھا جائے اور اگر تلاوت کے دوران سورۂ توبہ آجائے تو "بِسْمِ اللّٰه" پڑھنے کی حاجت نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝١

ترجمۂ کنزالایمان: سب خوبیاں اللّٰه کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔

ترجمۂ کنزُالعِرفان: سب تعریفیں اللّٰه کے لئے ہیں جو تمام جہان والوں کا پالنے والا ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ: سب تعریفیں اللّٰه کے لئے ہیں۔﴾ یعنی ہر طرح کی حمد اور تعریف کا مستحق اللّٰه تعالیٰ ہے کیونکہ اللّٰه تعالیٰ کمال کی تمام صفات کا جامع ہے۔

حمد اور شکر کی تعریف

حمد کا معنی ہے کسی کی اختیاری خوبیوں کی بنا پر اُس کی تعریف کرنا اور شکر کی تعریف یہ ہے کہ کسی کے احسان

اَلْمَنْزِلُ الْاَوَّل ﴿1﴾

کے مقابلے میں زبان، دل یا اعضاء سے اُس کی تعظیم کرنا اور ہم چونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد عام طور پر اُس کے احسانات کے پیشِ نظر کرتے ہیں اس لئے ہماری یہ حمد ''شکر'' بھی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کے فضائل

احادیث میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کے بہت فضائل بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے 3 فضائل درج ذیل ہیں:

(1)......حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور کچھ پئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔[1]

(2)......حضرت جابر بن عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور پُر نور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''سب سے افضل ذکر'' **لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ** '' ہے اور سب سے افضل دُعا '' **اَلْحَمْدُ لِلّٰہ** '' ہے۔[2]

(3)......حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کوئی نعمت نازل فرماتا ہے اور وہ (نعمت ملنے پر) '' **اَلْحَمْدُ لِلّٰہ** '' کہتا ہے تو یہ حمد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دی گئی نعمت سے زیادہ افضل ہے۔[3]

حمد سے متعلق شرعی حکم

خطبے میں حمد ''واجب''، کھانے کے بعد ''مستحب''، چھینک آنے کے بعد ''سنّت''، حرام کام کے بعد ''حرام'' اور بعض صورتوں میں ''کفر'' ہے۔

﴿ **لِلّٰہِ** : **اللہ کے لئے۔** ﴾ ''اللہ'' اس ذاتِ اعلیٰ کا عظمت والا نام ہے جو تمام کمال والی صفتوں کی جامع ہے اور بعض مفسرین نے اس لفظ کے معنی بھی بیان کیے ہیں جیسے اس کا ایک معنی ہے: ''عبادت کا مستحق'' دوسرا معنی ہے: ''وہ ذات

1 ......مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب حمد اللّٰہ...الخ، ص١٤٦٣، الحدیث: ٨٩(٢٧٣٤).

2 ......ابن ماجہ، کتاب الادب، باب فضل الحامدین، ٤/٢٤٨، الحدیث: ٣٨٠٠.

3 ......ابن ماجہ، کتاب الادب، باب فضل الحامدین، ٤/٢٥٠، الحدیث: ٣٨٠٥.

جس کی معرفت میں عقلیں حیران ہیں‘‘ تیسرا معنی ہے:’’وہ ذات جس کی بارگاہ میں سکون حاصل ہوتا ہے‘‘اور چوتھا معنی ہے:’’وہ ذات کہ مصیبت کے وقت جس کی پناہ تلاش کی جائے۔‘‘(1)

﴿رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ : جو سارے جہان والوں کا مالک ہے۔﴾ لفظ’’رَبّ‘‘ کے کئی معنی ہیں: جیسے سید، مالک، معبود، ثابت، مصلح اور بتدریج مرتبہ کمال تک پہنچانے والا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر موجود چیز کو عالَم کہتے ہیں اور اس میں تمام مخلوقات داخل ہیں۔(2)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾

ترجمۂ کنزالایمان: بہت مہربان رحمت والا۔

ترجمۂ کنزُالعِرفان: بہت مہربان رحمت والا۔

﴿اَلرَّحْمٰنِ : بہت مہربان۔﴾ رحمٰن اور رحیم اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی نام ہیں، رحمٰن کا معنی ہے: نعمتیں عطا کرنے والی وہ ذات جو بہت زیادہ رحمت فرمائے اور رحیم کا معنی ہے: بہت رحمت فرمانے والا۔

یاد رہے کہ حقیقی طور پر نعمت عطا فرمانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے کہ وہی تنہا ذات ہے جو اپنی رحمت کا بدلہ طلب نہیں فرماتی، ہر چھوٹی، بڑی، ظاہری، باطنی، جسمانی، روحانی، دنیوی اور اخروی نعمت اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اور دنیا میں جس شخص تک جو نعمت پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے ہے کیونکہ کسی کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا کرنا، رحم کرنے پر قدرت دینا، نعمت کو وجود میں لانا، دوسرے کا اس نعمت سے فائدہ اُٹھانا اور فائدہ اٹھانے کے لئے اَعضاء کی سلامتی عطا کرنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت دیکھ کر گناہوں پر بےباک نہیں ہونا چاہئے

ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْهِ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے’’رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ‘‘ کے بعد

(1) بیضاوی، الفاتحة، ۱/۳۲.
(2) صاوی، الفاتحة، تحت الآیة: ۱، ۱/۱٦، خازن، الفاتحة، تحت الآیة: ۱، ۱/۱۷، ملتقطاً.

اپنے دواوصاف رحمٰن اور رحیم بیان فرمائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے، تو اس سے (سننے اور پڑھنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے اس کا) خوف پیدا ہوا، تو اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے دو اوصاف رحمٰن اور رحیم ذکر کر دیئے گئے جن کے ضمن میں (اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی) ترغیب ہے یوں ترہیب اور ترغیب دونوں کا بیان ہو گیا تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی طرف اچھی طرح راغب ہو اور اس کی نافرمانی کرنے سے رکنے کی خوب کوشش کرے۔[1]

قرآنِ مجید میں اور مقامات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عذاب دونوں کو واضح طور پر ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ[2]

ترجمۂ کنزُالعِرفان: میرے بندوں کو خبر دو کہ بیشک میں ہی بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور بیشک میرا ہی عذاب دردناک عذاب ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوْلِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ[3]

ترجمۂ کنزُالعِرفان: گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، سخت عذاب دینے والا، بڑے انعام (عطا فرمانے) والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف پھرنا ہے۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ”اگر مومن جان لیتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کتنا عذاب ہے تو کوئی بھی اس کی جنت کی امید نہ رکھتا اور اگر کافر جان لیتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کتنی رحمت ہے تو اس کی جنت سے کوئی ناامید نہ ہوتا۔“[4]

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ امید اور خوف کے درمیان رہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت دیکھ کر گناہوں

1 ......قرطبی، الفاتحة، تحت الآیة: ۲، ۱/۱۲۹، الجزء الاول.
2 ......حجر: ۴۹،۵۰.
3 ......مومن: ۳.
4 ......مسلم، کتاب التوبة، باب فی سعة رحمة اللّٰہ...الخ، ص۱۴۷۳، الحدیث:۲۳(۲۷۵۵).

پر بے باک نہ ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت دیکھ کر اس کی رحمت سے مایوس ہو۔

کسی کو رحمٰن اور رحیم کہنے کے بارے میں شرعی حکم

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو رحمٰن کہنا جائز نہیں جبکہ رحیم کہا جا سکتا ہے جیسے قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو بھی رحیم فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (1)

ترجمۂ کنزُالعِرفان: بیشک تمہارے پاس تم میں سے وہ عظیم رسول تشریف لے آئے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت بھاری گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر بہت مہربان، رحمت فرمانے والے ہیں۔

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ(۳)

ترجمۂ کنزالایمان: روزِ جزا کا مالک۔

ترجمۂ کنزُالعِرفان: جزا کے دن کا مالک۔

﴿مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ: **جزا کے دن کا مالک۔**﴾ جزا کے دن سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس دن نیک اعمال کرنے والے مسلمانوں کو ثواب ملے گا اور گناہگاروں اور کافروں کو سزا ملے گی جبکہ ”مالک“ اُسے کہتے ہیں جو اپنی ملکیت میں موجود چیزوں میں جیسے چاہے تصرف کرے۔ اللہ تعالیٰ اگرچہ دنیا و آخرت دونوں کا مالک ہے لیکن یہاں ”قیامت“ کے دن کو بطورِ خاص اس لئے ذکر کیا تا کہ اس دن کی اہمیت دل میں بیٹھے۔ نیز دنیا کے مقابلے میں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے مالک ہونے کا ظہور زیادہ ہوگا کیونکہ اُس دن کسی کے پاس ظاہری سلطنت بھی نہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں لوگوں کو عطا فرمائی تھی، اس لئے یہاں خاص طور پر قیامت کے دن کی ملکیت کا ذکر کیا گیا۔

1 ……توبہ: ۱۲۸.

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ﴿۴﴾

ترجمۂ کنزالایمان: ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔

ترجمۂ کنزُالعِرفان: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

﴿ **اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ** : ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔﴾ اس سے پہلی آیات میں بیان ہوا کہ ہر طرح کی حمد وثنا کا حقیقی مستحق اللہ تعالیٰ ہے جو کہ سب جہانوں کا پالنے والا، بہت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے اور اس آیت سے بندوں کو سکھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی بندگی کا اظہار یوں کرو کہ اے اللہ! عَزَّوَجَلَّ، ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں کیونکہ عبادت کا مستحق صرف تو ہی ہے اور تیرے علاوہ اور کوئی اس لائق ہی نہیں کہ اس کی عبادت کی جاسکے اور حقیقی مدد کرنے والا بھی تو ہی ہے۔ تیری اجازت و مرضی کے بغیر کوئی کسی کی کسی قسم کی ظاہری، باطنی، جسمانی روحانی، چھوٹی بڑی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔

عبادت اور تعظیم میں فرق

عبادت کا مفہوم بہت واضح ہے، سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ کسی کو عبادت کے لائق سمجھتے ہوئے اُس کی کسی قسم کی تعظیم کرنا ''عبادت'' کہلاتا ہے اور اگر عبادت کے لائق نہ سمجھیں تو وہ محض ''تعظیم'' ہوگی عبادت نہیں کہلائے گی، جیسے نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا عبادت ہے لیکن یہی نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اُستاد، پیر یا ماں باپ کے لئے ہو تو محض تعظیم ہے عبادت نہیں اور دونوں میں فرق وہی ہے جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔

آیت ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ'' سے معلوم ہونے والی اہم باتیں

آیت میں جمع کے صیغے ہیں جیسے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنی چاہئے اور دوسروں کو بھی عبادت کرنے میں شریک کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ گناہگاروں کی عبادتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے محبوب اور مقبول بندوں کی عبادتوں کے ساتھ جمع ہو کر قبولیت کا درجہ پالیتی ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں اپنی حاجت عرض کرنے سے پہلے اپنی بندگی کا اظہار کرنا چاہئے۔امام عبداللہ بن احمد نسفی رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: عبادت کو مدد طلب کرنے سے پہلے ذکر کیا گیا کیونکہ حاجت طلب کرنے سے پہلے اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔[1]

اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنے کی برکت

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں کسی کا وسیلہ پیش کر کے اپنی حاجات کے لئے دعا کیا کرے تاکہ اُس وسیلے کے صدقے دعا جلد مقبول ہو جائے اور اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے، چنانچہ وسیلے کے بارے میں اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ [2]

ترجمۂ کنزُالعِرفان: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

اور ’’سُنَنِ ابنِ ماجہ‘‘ میں ہے کہ ایک نابینا صحابی بارگاہِ رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ میں حاضر ہو کر دعا کے طالب ہوئے تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے انہیں اس طرح دعا مانگنے کا حکم دیا:

’’اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ ‘‘ اے اللہ! عَزَّوَجَلَّ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبیِ رحمت حضرت محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں اے محمد! صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، میں نے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے وسیلے سے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کی تاکہ میری حاجت پوری کر دی جائے، اے اللہ! عَزَّوَجَلَّ، پس تو میرے لئے حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی شفاعت قبول فرما۔[3]

حدیث پاک میں مذکور لفظ ’’یا مُحمد‘‘ سے متعلق ضروری وضاحت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُاللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ’’علماء تصریح فرماتے ہیں: حضورِ اقدس صَلَّی

1 ......مدارك، الفاتحة، تحت الآية: ٤، ص ١٤.

2 ...... مائدہ: ٣٥.

3 ......ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ما جاء في صلاة الحاجة، ٢/١٥٧، الحديث: ١٣٨٥.

اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو نام لے کرندا کرنی حرام ہے۔اور (یہ بات) واقعی محلِ انصاف ہے، جسے اس کا مالک و مولیٰ تبارک وتعالیٰ نام لے کرنہ پکارے (تو) غلام کی کیا مجال کہ (وہ) راہِ ادب سے تجاوز کرے، بلکہ امام زین الدین مراغی وغیرہ محققین نے فرمایا: اگر یہ لفظ کسی دعا میں وارد ہو جو خود نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے تعلیم فرمائی (ہو) جیسے دعائے ’’یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ‘‘۔تاہم اس کی جگہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ،یَا نَبِیَّ اللّٰہ (کہنا) چاہیے، حالانکہ الفاظِ دعا میں حَتَّی الْوُسْعَ تغییر نہیں کی جاتی۔ یہ مسئلہ مہمہ (یعنی اہم ترین مسئلہ) جس سے اکثر اہلِ زمانہ غافل ہیں واجب الحفظ ہے۔[1]

﴿ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ : اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ﴾ اس آیت میں بیان کیا گیا کہ مدد طلب کرنا خواہ واسطے کے ساتھ ہو یا واسطے کے بغیر ہو ہر طرح سے اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اللّٰہ تعالیٰ کی ذات ہی ایسی ہے جس سے حقیقی طور پر مدد طلب کی جائے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ’’حقیقی مدد طلب کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس سے مدد طلب کی جائے اسے بالذات قادر، مستقل مالک اور غنی بے نیاز جانا جائے کہ وہ اللّٰہ تعالیٰ کی عطا کے بغیر خود اپنی ذات سے اس کام (یعنی مدد کرنے) کی قدرت رکھتا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ہر مسلمان کے نزدیک ’’شرک‘‘ ہے اور کوئی مسلمان اللّٰہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں ایسا ’’عقیدہ‘‘ نہیں رکھتا اور اللّٰہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے بارے میں مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللّٰہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کے لئے واسطہ اور حاجات پوری ہونے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں تو جس طرح حقیقی وجود کہ کسی کے پیدا کئے بغیر خود اپنی ذات سے موجود ہونا اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس کے باوجود کسی کو موجود کہنا اس وقت تک شرک نہیں جب تک وہی حقیقی وجود مراد نہ لیا جائے، یونہی حقیقی علم کہ کسی کی عطا کے بغیر خود اپنی ذات سے ہو اور حقیقی تعلیم کہ کسی چیز کی محتاجی کے بغیر از خود کسی کو سکھانا اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس کے باوجود دوسرے کو عالم کہنا یا اس سے علم طلب کرنا اس وقت تک شرک نہیں ہو سکتا جب تک وہی اصلی معنی مقصود نہ ہوں تو اسی طرح کسی سے مدد طلب کرنے کا معاملہ ہے کہ اس کا حقیقی معنی اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور وسیلہ و واسطہ کے معنی میں اللّٰہ تعالیٰ کے علاوہ کے لئے ثابت ہے اور حق ہے بلکہ یہ معنی تو غیرِ خدا ہی کے لئے خاص ہیں کیونکہ اللّٰہ تعالیٰ وسیلہ اور واسطہ بننے سے پاک ہے، اس سے اوپر کون ہے کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہو گا اور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے کہ یہ بیچ میں واسطہ بنے گا۔ بدمذہبوں کی طرف سے ہونے والا ایک اعتراض

[1] ......فتاوی رضویہ، ۳۰/ ۱۵۷-۱۵۸۔

ذکر کرکے اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ''یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا سے توسل کرکے اسے کسی کے یہاں وسیلہ وذریعہ بنایا جائے ،اس وسیلہ بننے کوہم اولیاءِ کرام سے مانگتے ہیں کہ وہ دربارالٰہی میں ہماراوسیلہ، ذریعہ اورقضائے حاجات کا واسطہ ہوجائیں، اُس بے وقوفی کےسوال کاجواب اللّٰہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دیا ہے:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا [1]

ترجمۂ کنزُالعِرفان: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ کرکے تیرے پاس حاضر ہوں اور اللّٰہ سے معافی چاہیں اور معافی مانگنے ان کے لئے رسول ،تو بےشک اللّٰہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

کیا اللّٰہ تعالیٰ اپنے آپ نہیں بخش سکتا تھا پھر کیوں یہ فرمایا کہ اے نبی! تیرے پاس حاضر ہوں اور تُو اللّٰہ سے ان کی بخشش چاہے تو یہ دولت ونعمت پائیں ۔یہی ہمارا مطلب ہے جوقرآن کی آیت صاف فرمارہی ہے۔ [2]

زیرِتفسیرآیت کریمہ کے بارے میں مزید تفصیل جاننے کے لئے فتاوی رضویہ کی 21ویں جلد میں موجوداعلیٰ حضرت امام احمدرضاخان رَحْمَةُاللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ کا رسالہ ''بَرَكَاتُ الْاِمْدَادْ لِاَهْلِ الْاِسْتِمْدَادْ (مددطلب کرنے والوں کے لئے امدادکی برکتیں)'' کا مطالعہ فرمائیں۔

اللّٰہ تعالیٰ کی عطا سے بندوں کا مدد کرنا اللّٰہ تعالیٰ ہی کا مدد کرنا ہوتا ہے

یادرہے کہ اللّٰہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دوسروں کی مدد کرنے کا اختیار دیتا ہے اور اُس اِختیار کی بنا پر اُن بندوں کا مدد کرنا اللّٰہ تعالیٰ ہی کا مدد کرنا ہوتا ہے، جیسے غزوۂ بدر میں فرشتوں نے آکر صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُم کی مدد کی ،لیکن اللّٰہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ [3]

ترجمۂ کنزُالعِرفان: اور بیشک اللّٰہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔

---

1 ......النساء: ٦٤.

2 ......فتاوی رضویہ،۲۱/۳۰۴-۳۰۵،ملخصاً۔

3 ......ال عمران: ۱۲۳.

یہاں فرشتوں کی مدد کو اللہ تعالیٰ کی مدد کہا گیا، اِس کی وجہ یہی ہے کہ فرشتوں کو مدد کرنے کا اِختیار اللہ تعالیٰ کے دینے سے ہے تو حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ ہی کی مدد ہوئی۔ یہی معاملہ انبیاءِ کرام عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام اور اولیاءِ عِظام رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْهِم کا ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عطا سے مدد کرتے ہیں اور حقیقتاً وہ مدد اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے، جیسے حضرت سلیمان عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام نے اپنے وزیر حضرت آصف بن برخیا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے تخت لانے کا فرمایا اور انہوں نے پلک جھپکنے میں تخت حاضر کر دیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا: ”هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ“ ترجمۂ کنزالعرفان: یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔[1] اور تاجدارِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی سیرتِ مبارکہ میں مدد کرنے کی تو اتنی مثالیں موجود ہیں کہ اگر سب جمع کی جائیں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے، ان میں سے چند مثالیں یہ ہیں:

(1)......صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے تھوڑے سے کھانے سے پورے لشکر کو سیر کیا۔[2]

(2)......آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے دودھ کے ایک پیالے سے ستر صحابہ کو سیراب کر دیا۔[3]

(3)......انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر کے چودہ سو (1400) یا اس سے بھی زائد افراد کو سیراب کر دیا۔[4]

(4)......لُعابِ دہن سے بہت سے لوگوں کو شفا عطا فرمائی۔[5]

اور یہ تمام مددیں چونکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت سے تھیں لہٰذا سب اللہ تعالیٰ کی ہی مددیں ہیں۔ اس بارے میں مزید تفصیل کے لئے فتاوی رضویہ کی 30 ویں جلد میں موجود اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولانا شاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃُ الرَّحمٰن کے رسالے ”اَلْاَمْنُ وَالْعُلٰی لِنَاعِتِی الْمُصْطَفٰی بِدَافِعِ الْبَلَاءِ (مصطفٰی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دافع البلاء یعنی بلائیں دور کرنے والا کہنے والوں کے لئے انعامات)“ کا مطالعہ فرمائیے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۵﴾

1......نمل: ٤٠.

2......بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق...الخ، ٣/٥١-٥٢، الحدیث: ٤١٠١، الخصائص الکبری، باب معجزاته صلی الله عیه و سلم فی تکثیر الطعام غیر ما تقدّم، ٢/٨٥.

3......بخاری، کتابِ الرقاق، بابِ کیف کان عیش النبی... الخ، ٤/٢٣٤، الحدیث: ٦٤٥٢، عمدة القاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی... الخ، ١٥/٥٣٦.

4......بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة، ٣/٦٩، الحدیث: ٤١٥٢-٤١٥٣.

5......الخصائص الکبری، باب آیاته صلی الله علیه و سلم فی ابراء المرضی... الخ، ٢/١١٥-١١٨.

ترجمۂ کنزالایمان: ہم کو سیدھا راستہ چلا۔

ترجمۂ کنزالعرفان: ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ: ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت کے بعد اس کی عبادت اور حقیقی مددگار ہونے کا ذکر کیا گیا اور اب یہاں سے ایک دعا سکھائی جا رہی ہے کہ بندہ یوں عرض کرے: اے اللہ! عَزَّوَجَلَّ، تو نے اپنی توفیق سے ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیا اب ہماری اس راستے کی طرف ہدایت میں اضافہ فرما اور ہمیں اس پر ثابت قدم رکھ۔

صراطِ مستقیم کا معنی

صراطِ مستقیم سے مراد ''عقائد کا سیدھا راستہ'' ہے، جس پر تمام انبیاءِ کرام عَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام چلے یا اس سے مراد ''اسلام کا سیدھا راستہ'' ہے جس پر صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ، بزرگانِ دین اور اولیاءِ عظام رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ چلے جیسا کہ اگلی آیت میں موجود بھی ہے اور یہ راستہ اہلسنّت کا ہے کہ آج تک اولیاءِ کرام رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ صرف اسی مسلکِ اہلسنّت میں گزرے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہی کے راستے پر چلنے اور انہی کے ساتھ ہونے کا فرمایا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ [1]

ترجمۂ کنزالعرفان: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اور حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے، سیدالمرسلین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گی، اور جب تم (لوگوں میں) اختلاف دیکھو تو تم پر لازم ہے کہ سوادِ اعظم (یعنی مسلمانوں کے بڑے گروہ) کے ساتھ ہو جاؤ۔'' [2]

حضرت عبداللہ بن عمرو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے روایت ہے، نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد

1 ...... التوبۃ: ۱۱۹.

2 ...... ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، ۴/۳۲۷، الحدیث: ۳۹۵۰.

فرمایا: ’’بنی اسرائیل 72 فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت 73 فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، ان میں سے ایک کے علاوہ سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے عرض کی: یارسول اللّٰہ! صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا: ’’(وہ اس طریقے پر ہوگا) جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ [1]

ہدایت حاصل کرنے کے ذرائع

یاد رہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے ہدایت حاصل کرنے کے بہت سے ذرائع عطا فرمائے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(1)......انسان کی ظاہری باطنی صلاحیتیں جنہیں استعمال کر کے وہ ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔

(2)......آسمانوں، زمینوں میں اللّٰہ تعالیٰ کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانیاں جن میں غور و فکر کر کے انسان ہدایت پا سکتا ہے۔

(3)......اللّٰہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں، ان میں سے تورات، انجیل اور زبور قرآن پاک نازل ہونے سے پہلے لوگوں کے لئے ہدایت کا باعث تھیں اور اب قرآنِ مجید لوگوں کے لئے ہدایت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

(4)......اللّٰہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے خاص بندے انبیاءِ کرام اور مرسلینِ عظام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام، یہ اپنی اپنی قوموں کے لئے ہدایت حاصل کرنے کا ذریعہ تھے اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

آیت ’’ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ‘‘ سے معلوم ہونے والے احکام

اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوئیں:

(1)......ہر مسلمان کو اللّٰہ تعالیٰ سے سیدھے راستے پر ثابت قدمی کی دعا مانگنی چاہئے کیونکہ سیدھا راستہ منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور ٹیڑھا راستہ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ اللّٰہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ عقل والے اس طرح دعا مانگتے ہیں:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

ترجمۂ کنزُالعِرفان: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے، اس کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور

1......ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی افتراق... الخ، ٤/٢٩١-٢٩٢، الحدیث: ٢٦٥٠.

اَلْوَهَّابُ[1] ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

اور حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: حضور پُر نور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کثرت سے یہ دعا فرمایا کرتے تھے: ''یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ'' اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ تو میں نے عرض کی: یا رسولَ اللّٰہ! صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، ہم آپ پر اور جو کچھ آپ لائے ہیں اس پر ایمان رکھتے ہیں تو کیا آپ کو ہمارے بارے میں کوئی خوف ہے؟ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! بے شک دل اللّٰہ تعالٰی کی (شان کے لائق اس کی) انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جیسے چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔[2]

(2)......عبادت کرنے کے بعد بندے کو دعا میں مشغول ہونا چاہیے۔

(3)......صرف اپنے لئے دعا نہیں مانگنی چاہیے بلکہ سب مسلمانوں کے لئے دعا مانگنی چاہیے کہ اس طرح دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۠(۷) ع

ترجمۂ کنزالایمان: راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا، نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔

ترجمۂ کنزالعرفان: ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا نہ کہ ان کا راستہ جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔

﴿**صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ: ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔**﴾ یہ جملہ اس سے پہلی آیت کی تفسیر ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللّٰہ تعالٰی نے احسان و انعام فرمایا اور جن لوگوں پر اللّٰہ تعالٰی نے اپنا فضل و احسان فرمایا ہے ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

---

1 ......اٰل عمران: ۸.

2 ......ترمذی، کتاب القدر، باب ما جاء انّ القلوب... الخ، ۴/۵۵، الحدیث: ۲۱۴۷.

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓىٕكَ رَفِيْقًا (1)

ترجمۂ کنزُالعِرفان: اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

آیت ”صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ“ سے معلوم ہونے والے مسائل

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(1)......جن اُمور پر بزرگانِ دین کا عمل رہا ہو وہ صراطِ مستقیم میں داخل ہے۔

(2)......امام فخر الدین رازی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ”اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ“ کے بعد ”صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ“ کو ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مرید ہدایت اور مُکاشَفَہ کے مقامات تک اسی صورت پہنچ سکتا ہے جب وہ کسی ایسے (کامل) پیر کی پیروی کرے جو درست راستے کی طرف اس کی رہنمائی کرے، غلطیوں اور گمراہیوں کی جگہوں سے اسے بچائے کیونکہ اکثر لوگوں پر نقص غالب ہے اور ان کی عقلیں حق کو سمجھنے، صحیح اور غلط میں امتیاز کرنے سے قاصر ہیں تو ایک ایسے کامل شخص کا ہونا ضروری ہے جس کی ناقص شخص پیروی کرے یہاں تک کہ اِس کامل شخص کی عقل کے نور سے اُس ناقص شخص کی عقل بھی مضبوط ہو جائے تو اس صورت میں وہ سعادتوں کے درجات اور کمالات کی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے۔ (2)

﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ: نہ کہ ان کا راستہ جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔﴾ جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا ان سے مراد یہودی اور بہکے ہوؤں سے مراد عیسائی ہیں جیسا کہ سنن ترمذی، جلد 4، صفحہ 444، حدیث نمبر 2964 میں ہے اور امام فخر الدین رازی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جن پر غضب ہوا ان سے مراد بدعمل ہیں اور بہکے ہوؤں سے مراد بدعقیدہ لوگ ہیں۔ (3)

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ عقائد، اعمال، سیرت، صورت ہر اعتبار سے یہودیوں، عیسائیوں اور تمام کفار سے

1......النساء: ٦٩.
2......تفسیر کبیر، الفاتحة، الباب الثالث، ١/١٦٤.
3......تفسیر کبیر، الفاتحة، تحت الآیة: ٧، ١/٢٢٢-٢٢٣.

الگ رہے، نہ ان کے طور طریقے اپنائے اور نہ ہی ان کے رسم ورواج اور فیشن اختیار کرے اوران کی دوستیوں اور صحبتوں سے دور رہتے ہوئے اپنے آپ کو قرآن وسنّت کے سانچے میں ڈھالنے میں ہی اپنے لئے دونوں جہان کی سعادت تصور کرے۔[1]

آیت ”وَلَا الضَّآلِّیْنَ“ سے متعلق شرعی مسئلہ

بعض لوگ ”وَلَا الضَّآلِّیْنَ“ کو ”وَ لَا الظَّآلِّیْن“ پڑھتے ہیں، ان کا ایسا کرنا حرام ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُاللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ض، ظ، ذ، ز سب حروف متبایِنہ، متغایرہ (یعنی ایک دوسرے سے جداجدا حروف) ہیں، ان میں سے کسی کو دوسرے سے تلاوتِ قرآن میں قصداً بدلنا، اس کی جگہ اُسے پڑھنا، نماز میں ہوخواہ بیرونِ نماز، حرام قطعی وگناہِ عظیم، اِفتِراء عَلَی اللہ وتحریفِ کتاب کریم ہے۔[2]

اس مسئلے کے بارے میں دلائل کے ساتھ تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لئے فتاوی رضویہ کی چھٹی جلد میں موجود ان رسائل کا مطالعہ فرمائیں: (۱) نِعَمَ الزَّادُ لِرَوْمِ الضَّادْ۔ (ضاد کی ادائیگی کا بہترین طریقہ) (۲) اَلْجَامُ الصَّادُ عَنْ سُنَنِ الضَّادْ۔ (ضاد کی ادائیگی کے غلط اور صحیح طریقوں کا بیان)۔

﴿امین﴾ اس کا ایک معنی ہے: اے اللہ! عَزَّوَجَلَّ، تو قبول فرما۔ دوسرا معنی ہے: اے اللہ! عَزَّوَجَلَّ، تو ایسا ہی فرما۔

اٰمین سے متعلق شرعی مسائل

(1)...... یہ قرآن مجید کا کلمہ نہیں ہے۔

(2)...... نماز کے اندر اور نماز سے باہر جب بھی ”سورۂ فاتحہ“ ختم کی جائے تو اس کے بعد اٰمین کہنا سنت ہے۔

(3)...... احناف کے نزدیک نماز میں آمین بلند آواز سے نہیں بلکہ آہستہ کہی جائے گی۔

---

1 ...... اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کیلئے تبلیغِ قرآن وسنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک ”دعوتِ اسلامی“ سے وابستہ ہو جانا بے حد مفید ہے۔

2 ...... فتاوی رضویہ، ۶/۳۰۵۔